ماہنامہ دارالعلوم دیوبند

عصیانِ ما و رحمتِ پروردگارِ ما

از

مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلوی رحمہ اللہ

اپریل تا جون 1957ء

قسط اوّل :-

"عصیانِ ما و رحمتِ پروردگارِ ما"

مولٰنا اخلاق حسین قاسمی الدہلوی فاضل دیوبند

جب قرآنِ حکیم کا یہ اعلان سامنے آتا ہے :-

ولو ان لکل نفس ظلمت مافی الارض لافتدت بہ ۔ (القرآن الحکیم)

"یعنی ایک ظالم انسان اگر زمین کی تمام دولت دیکر بھی اپنے گناہوں کے خمیازہ سے چھٹکارا پانا چاہے گا تو بھی نہ پا سکے گا"

* * *

یا یہ اعلان نظر سے گذرتا ہے :-

یوم لا بیع فیہ ولا خلۃ ولا شفاعۃ ۔

"یعنی قیامت کے دن نہ خرید و فروخت ہوگی نہ دوستی اور سفارش کام آئیگی"

یا حضرت حق کا یہ ارشاد کانوں میں پڑتا ہے :-

ولا یکلمھم اللہ یوم القیامۃ ولا یزکیھم ولھم عذاب الیم ۔

"یعنی خدا تعالیٰ قیامت کے دن گناہگاروں سے نہ کلام کرے گا، اور نہ انہیں پاک کرے گا"

مطلب یہ ہے کہ قیامت میں ایک ناپاک زندگی کے پاک ہونے کی کوئی صورت نہ ہوگی جو زندگی گناہوں میں آلودہ ہوگی اُس کا آلودگیوں سے پاک صاف ہونا ممکن نہ ہوگا ۔ زندگی جن داغ دھبوں سے خراب ہوگئی ہے وہ داغ دھبّے کسی طرح دُور نہ ہوسکیں گے، خدا کی مہربانی اُس دن کسی طرح حاصل نہ ہوسکے گی، نہ اُسے پیسوں سے خریدا جاسکے گا نہ کسی دوست کی سفارش یا اسکی مہربانی سے کام چلے گا اور نہ کسی کی دھونس و دھاندلی سے کام نکلے گا ـــــ، ایسی زندگی جہنم کا ایندھن بنے گی ۔ اور جہنم کی دائمی سزائیں اس کو ہمیشہ گھیرے رہیں گی ۔

تو اس قسم کے اعلانات سے خیال ہوتا ہے کہ اسلام میں قہر و عذاب کا تصور غالب ہے، اسلام خدا کو قہار و جبار بنا کر پیش کرتا ہے، حالانکہ یہ بات مسلم ہے، کہ خدا تعالےٰ کی رحمت اس کے قہر پر غالب ہے، اس نے اپنے تعارف کے لئے رحمان و رحیم کی صفتوں کو سب سے زیادہ استعمال کیا ہے ۔

یہ خیال اس لئے پیدا ہوتا ہے کہ معاملہ کا دوسرا رُخ ہمارے سامنے نہیں ہوتا ۔

وہ دوسرا رُخ یہ ہے کہ اللہ رب العالمین نے موجودہ زندگی میں گناہوں اور بُرائیوں سے پاک صاف ہونے کی متعدد صورتیں تجویز فرمائی ہیں، بے شمار سہولتیں دی ہیں اور اس قسم کی آسانیاں پیش کی ہیں کہ انسان بُرائیوں کے داغ دھبّوں سے پاک ہوتا رہے ـــــ،

یہانتک کہ مخالفین اسلام پر اعتراض کرنے لگے ہیں کہ اسلام نے گناہوں کی بخشش اور معافی کو اس قدر آسان کردیا ہے کہ لوگ گناہ کرنے میں بے باک اور نڈر ہوگئے ہیں ۔ چنانچہ بہت سی قومیں گناہ کی بخشش کو تسلیم ہی نہیں کرتیں، وہ کہتی ہیں کہ انسان کو گناہ کا خمیازہ لازمی طور پر بھگتنا پڑے گا خواہ اسی جون میں یا دوسری جون میں ۔

پس اگر اتنی آسانیوں کے باوجود بھی ایک شخص اپنی زندگی کو گناہوں سے پاک نہیں کرتا، توبہ و استغفار کے

ذریعہ برائیوں کے بوجھ سے ہلکا نہیں ہوتا، نیکیاں کر کے برائیوں کے اثرات سے محفوظ رہنے کی سعی نہیں کرتا۔ قدرتی حوادث پر صبر کر کے اجر و ثواب حاصل نہیں کرتا تاکہ گناہوں کی تاریکی نیکیوں کی روشنی میں دب جائے تو ایسے لاپرواہ اور غافل شخص کے لئے آخرت میں پاک صاف ہونے کا کوئی موقعہ باقی نہیں رہتا۔

جو شخص اتنی آسانیوں کے باوجود اس عالم میں گناہوں سے پاک ہونا نہ چاہے، آخرت میں اس کی زندگی کو کوئی پاک کرنے والا نہیں، یہی تقاضا ہے حق و انصاف کا، اس میں کوئی ظلم نہیں ——، یہ بد نصیب شخص مشرک اور منکر حق ہوگا۔

ذیل میں زندگی کو گناہوں کے میل کچیل سے پاک کرنے والی ایک خاص تدبیر کی وضاحت کی گئی ہے۔

کفارہ کی تین صورتیں!

اسلامی نقطۂ نظر سے دنیوی زندگی میں گناہوں کے کفارہ یعنی معافی کی تین صورتیں ہیں:۔

(۱) نیکیوں سے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے۔
(۲) توبہ سے گناہوں سے معافی ہوتی ہے۔
(۳) مصائب کے ذریعہ گناہوں سے پاک کیا جاتا ہے

مصائب جسمانی بیماریوں کی صورت میں بھی آتے ہیں، جان و مال کے نقصان کی شکل میں بھی، آسمانی حوادث بھی ہوتے ہیں اور دشمنوں کے ہاتھ سے بھی پہنچتے ہیں، نوعیت خواہ کچھ بھی ہو بہر صورت خدا تعالیٰ ان تکلیفوں کے ذریعہ مومن کو گناہوں کے بوجھ سے ہلکا کر دیتا ہے۔

احادیث کے ذخیرے میں اس موضوع پر بڑی دلچسپ اور سبق آموز بحثیں ملتی ہیں، ذیل میں ان کا کچھ حصہ پیش کیا جاتا ہے:۔

جب سورۂ نساء کی یہ آیت نازل ہوئی:۔

لیس بامانیکم ولا امانی اهل الکتاب من یعمل سوءًا یجز به ولا یجد له من دون الله ولیا ولا نصیرا ۔

"نہ تمہاری امیدوں پر مدار ہے اور نہ اہل کتاب کی امیدوں پر جو کوئی برا کام کریگا اس کی سزا پائیگا اور نہ پائیگا اللہ کے سوا اپنا کوئی حامی اور نہ کوئی مددگار"

تو ایک روز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا، یا رسول اللہ! اس اعلان کے بعد کہ جو جیسا کریگا ضرور پائے گا —— نجات کیونکر ہوگی؟۔

حضور نے فرمایا، ابوبکر! خدا تمہیں بخشے، کیا تم بیمار نہیں پڑتے؟ کیا تمہیں کوئی رنج نہیں پہنچتا؟ عرض کیا، ہاں حضور، ایسا ہوتا ہے۔ فرمایا، تو بس —— بیماری اور رنج ہی وہ بدلا ہے، جس کا اس میں اعلان کیا گیا ہے، یعنی بہت سے گناہ ایسے ہوتے ہیں جن کی سزا بیماریوں اور تکلیفوں کی شکل میں انسان کو یہیں مل جاتی ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں، حضورؐ نے ارشاد فرمایا:۔

(۱) ما من مصيبة تصيب المسلم الا كفر الله بها عنه حتى الشوكة يشاكها (بخاری)

"مسلمان پر جو مصیبت نازل ہوتی ہے خدا تعالیٰ اس مصیبت کے ذریعہ مسلمان کے گناہ دور کر دیتا ہے یہاں تک کہ جو کانٹا چبھتا ہے وہ بھی کفارہ بنتا ہے"

مسلم کی روایت میں اس طرح ہے:۔

الا رفعه الله بها درجة وحط عنه بها خطيئة ۔ (مسلم شریف)

"خدا تعالیٰ اس مصیبت کے ذریعہ مسلمان کا ایک درجہ بلند کر دیتا ہے اور ایک خطا معاف کر دیتا ہے"

امام مسلمؒ نے اسی روایت کو بطریق عمرہ (او) کے ساتھ

روایت کیا ہے، جسے بعض محدثین نے "شک راوی" پر اور بعض نے تنویع پر محمول کیا ہے، حافظ ابن حجرؒ نے تنویع کو اوجہ کہا ہے اور مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اس بیمار اور مصیبت زدہ مسلمان کے نامۂ اعمال میں اگر گناہ نہیں ہوتے تو اُس کو اس مصیبت کے ذریعہ ایک نیکی کا اجر عطا فرما دیا جاتا ہے اور اگر گناہ ہوتے ہیں تو اُس کا ایک گناہ معاف کر دیا جاتا ہے۔

پھر وہ گناہوں سے پاک بندہ مومن جس درجہ میں محفوظ و معصوم ہوتا ہے اس کی بیماری اسی درجہ میں، اس کے مراتب کی بلندی کا سبب بنتی ہے۔

حضرت عائشہؓ کی حسب ذیل روایت اس کی وضاحت کرتی ہے، فرماتی ہیں، سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز مرض کی شدت سے بستر پر کروٹیں لے رہے تھے۔ حضورؐ کی اس بے قراری کو دیکھ کر حضرت عائشہؓ نے عرض کیا، حضور! اگر ہم میں سے کوئی ایسا کرتا تو اُس پر آپ ناراض ہوتے۔ فرمایا، عائشہ! نیک لوگوں پر خدا تعالےٰ سختی کرتا ہے اور مومن کو جو مصیبت بھی پہنچتی ہے وہ اس کیلئے کفارہ ثابت ہوتی ہے۔

مطلب یہ کہ جب گناہوں سے پاک بندے کے حق میں معمولی سی مصیبت بھی بہت زیادہ ترقی درجات کا سبب بنتی ہے تو کسی بڑی تکلیف سے اسکو کتنی ترقی نصیب ہوتی ہوگی؟ ظاہر ہے کہ اس کا اندازہ لگانا بھی مشکل ہے، بخاری کی حدیث میں علی الاطلاق مرض کو کفارہ کہا گیا ہے، کیوں کہ انسانوں کی عام حالت یہ ہے کہ وہ گناہگار ہیں گناہوں سے محفوظ انبیاء علیہم السلام کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے۔

اِس موقعہ پر محدثین کے ہاں یہ بحث بھی چھڑتی ہے کہ آیا محض مصائب پر اجر ملتا ہے یا مصائب میں صبر و رضاء اختیار کرنے پر۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ کہنا۔

ان المصاب ماجور۔ "ہر مصیبت زدہ کو اجر ملتا ہے"

ایک خوش فہمی ہے جو جاہلوں نے گھڑلی ہے، کیوں کہ ثواب و عذاب ان اعمال پر مرتب ہوتا ہے، جن کے کرنے یا نہ کرنے میں انسان کا دخل و اختیار ہوتا ہے، مصائب کے آنے میں انسان کے عمل کو کیا دخل ہے؟ البتہ صبر و رضاء انسان کی اختیاری چیزیں ہیں، اِس پر اجر و ثواب کا ملنا صحیح ہے۔

یہ خیال شیخ عزالدین ابن سلام کا ہے، اِس کی تردید کرتے ہوئے بعض علماء نے لکھا ہے۔

مطلق مصائب کفارات ہیں، ان کے ساتھ رضاء و صبر ہو یا نہ ہو۔ ہاں اگر صبر بھی ہوگا تو اس کا اجر اور بڑھ جائے گا۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:۔

اس مسئلہ میں تحقیق یہ ہے کہ جس درجے کی مصیبت ہوتی ہے اسی درجے کے گناہ کے لئے وہ کفارہ بن جاتی ہے اور اسکے بعد اگر صبر و رضاء بھی ہوتی ہے تو اس پر اس مصیبت زدہ کو علیحدہ اجر ملتا ہے۔

یہ اُس صورت میں ہوتا ہے جب مصیبت زدہ گناہ میں ملوث ہوتا ہے، اور اگر وہ گناہوں سے پاک ہوتا ہے جیسے انبیاء علیہم السلام تو انہیں اس مصیبت کے بدلے میں اسی درجے کا اجر عطا کیا جاتا ہے۔

اِس موقعہ پر ایک اور بحث بھی سامنے آتی ہے، اور وہ یہ ہے:۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ کسی مصیبت زدہ کے لئے یہ دُعاء کرنا درست نہیں کہ خُدا تعالےٰ تیری اس بیماری یا تکلیف کو تیرے گناہوں کا کفارہ بنا دے، کیونکہ جب شارع نے

خود ہی اس امر کا اعلان کر دیا تو دعا کرنا تحصیلِ حاصل ہے، اور تحصیل حاصل شریعت کی جناب میں سوء ادب ہے۔

لیکن جمہور علماء نے اس سے اختلاف کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ شریعت میں حضور کے لئے صلوٰۃ وسلام اور وسیلہ کی دعاء کرنے کا حکم ہے۔ حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ کوئی دعاء کرے یا نہ کرے حضور صلعم پر خدا تعالےٰ اپنی بے پایاں رحمتیں نازل فرما رہا ہے۔

پس صلوٰۃ وسلام کی طرح ان تمام امور کی دعاء کرنا جو بہر حال اور بہر صورت واقع ہونے والے ہیں اور جن میں تحصیل حاصل ہے جائز اور مستحسن ہیں کیوں کہ صرف دعاء کرنا اپنی جگہ مستقل حکم ہے اور تعمیل حکم موجب اجر و ثواب ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی کی روایت ہے،

(۲) مایصیب المسلم	"مسلمان کو جو تکلیف، جو بیماری
من نصب ولا وصب،	جو فکر و غم، جو اذیت اور پریشانی
ولا هم ولا حزن ولا اذی	لاحق ہوتی ہے یہاں تک کہ جو
ولا غم حتی الشوکۃ	کانٹا چبھتا ہے خدا تعالیٰ اُن
یشاکها الا کفر الله بها	سب چیزوں کو اس کی خطاؤں
من خطایاه۔	کے لئے کفارہ بنا دیتا ہے"

حدیث میں چھ لفظ ہیں:۔

(۱) نَصَبَ ـــــ تعب اور سختی۔

(۲) وَصَب ـــــ بیماری۔

(۳و۴) ھم و حزن ـــــ یہ دونوں باطنی تکلیفوں میں سے ہیں یعنی دلی صدمات۔

(۵) اذی ـــــ جو تکلیف کسی دوسرے کی طرف سے پہنچتی ہے،

(۶) غم ـــــ یہ بھی باطنی تکلیف ہے یعنی قلبی رنج۔

بعض علماء لغت نے اِن الفاظ کے معانی میں فرق بیان کیا ہے:۔

ھم ـــــ مستقبل میں پہنچنے والی مصیبت کا خیال کرنے سے جو رنج ہوتا ہے۔

غم ـــــ جو حادثہ ماضی میں گذرا ہو اُسکی پریشانی۔

حزن ـــــ کسی چیز کے چھننے اور فوت ہونے سے جو صدمہ پہنچتا ہے۔

کرمانی کہتے ہیں ـــــ "غم ہر قسم کی پریشانی اور رنج کیلئے استعمال ہوتا ہے، خواہ جسمانی ہو، یا نفسانی، اتفاقی حادثہ سے ہو یا کسی دوسرے کی زیادتی سے۔

حدیث کی جامعیت پر غور کرو، مصیبت اور تکلیف کی کوئی بڑی چھوٹی، جسمانی اور ذہنی، ماضی یا مستقبل کی ایسی کوئی قسم اور صورت نہیں جو حدیث مذکورہ میں موجود نہ ہو۔

(۳) مومن اور منافق کی مثال دیتے ہوئے فرمایا:۔

مثل المومن کالخامۃ	"مومن کی مثال ایسی ہے جیسے
من الزرع تفیئها الریح مرۃ	کھیتی کا تازہ سبزہ کہ ہوا کبھی
وتعدلها مرۃ ومثل	اُسے جھکا دیتی ہے اور کبھی سیدھا
المنافق کالارزۃ	کر دیتی ہے؛ اور منافق کی مثال
لاتزال حتی لایکون	ایسی ہے جیسے چیڑ کا درخت جو
انجعافها مرۃ واحدۃ۔	ایک دفعہ ہی جڑ سے اکھڑ
✣ ✣ ✣ ✣ ✣	جاتا ہے"

دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں:۔

من حیث اتتها الریح	"مومن کی مثال ایسی ہے جیسے
کفأتها فاذا اعتدلت	نو آغاز سرسبز کھیتی کہ جب
تکفأ بالبلاء	ہوا آتی ہے تو اُسے جھکا دیتی
والفاجر کالارزۃ	ہے اور جب ہوا تھم جاتی ہے
صماء معتدلۃ	تو وہ سیدھا ہو جاتا ہے،
حتی یقصمها الله	اسی طرح مسلمان بلا سے جھک
اذا شاء۔	جاتا ہے، اور گناہگار کی
✣ ✣ ✣	مثال ایسی ہے جیسے صنوبر کا درخت
✣ ✣	کہ نہایت سخت اور سیدھا ہوتا ہے
✣	یہاں تک کہ جب خدا تعالیٰ چاہتا ہے..."

[illegible]

بقیہ: عصیانِ ما و رحمتِ پروردگارِ ما

مطلب یہ ہے کہ جس طرح چھوٹے چھوٹے پودوں اور نرم و نازک شاخوں کو ہوا ہر وقت حرکت میں رکھتی ہے کبھی جُھکاتی ہے اور کبھی کھڑا کر دیتی ہے اسی طرح مومن کا حال ہے، وہ دُنیا میں ایک نرم شاخ کی طرح نازک اور کمزور ہوتا ہے، بلاؤں اور مصائب کے جھونکے اُسے کبھی چین نہیں لینے دیتے، اس کے مقابلہ میں ایک گناہگار صنوبر کے درخت کی طرح لمبا اور مضبوط ہوتا ہے، جو ہوا کے معمولی جھونکوں کی تو قطعاً پرواہ نہیں کرتا، لیکن جب ہوا کے جھکڑ چلتے ہیں تو جس طرح یہ تناور اور مضبوط درخت ایک ہی دفعہ ٹوٹ کر گر پڑتا ہے، اِسی طرح گناہگار کو خدا تعالےٰ بار بار آزمانے کی بجائے ایک ہی دفعہ عذاب میں پکڑ لیتا ہے اور جو مہلتیں زندگی میں اُسے ملتی ہیں وہ ختم ہو جاتی ہیں۔

(باقی آئندہ)

(دوسری قسط)

"عصیانِ ما و رحمتِ پروردگارِ ما"

(مولٰنا اخلاق حسین قاسمی الدہلوی)

رات دن مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ ہوا کی تیز و تند آندھیوں میں بڑے بڑے تناور درخت اوندھے مُنہ گر پڑتے ہیں، اور ننھے اور نازک پودے ہزاروں جھٹکے کھا کھا کر بھی اپنی جگہ کھڑے مُسکراتے نظر آتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ خدا کے نیک بندوں کے حق میں انکی کمزوری، رحمت ہے اور وہ مُصیبتیں بھی رحمت ہیں جو برابر جھٹکے دے دے کر اسے غفلت سے ہوشیار اور خطاؤں سے پاک کرتی رہتی ہیں۔

اِن حدیثوں پر بعض علماء نے اِس طرح تقریر کی ہے:۔

مشیت کے فیصلوں کے سامنے خدا کے نیک بندے ہمیشہ سرنگوں رہتے ہیں

اگر انہیں خیر و بھلائی پہونچتی ہے تو مسرور ہوتے ہیں شُکر گذار ہوتے ہیں۔

اگر کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے تو صبر کرتے ہیں اور اجر و ثواب کے اُمیدوار رہتے ہیں اور وہ مصیبت کی حالت جب ختم ہوجاتی ہے تو اپنی بحالی پر پھر خدا کا شُکر ادا کرتے ہیں۔

بخلاف منکر کے، خدا تعالےٰ اسے اپنی آزمائشوں کی نعمت سے محروم رکھتا ہے، دُنیا میں اُسے ہر طرح کی آسانیاں عطا فرماتا ہے، تاکہ اس کی آخرت کی زندگی دُشواریوں سے پُر ہو جائے، یہاں تک کہ جب وہ اسے دُنیا میں تباہ کرنا چاہتا ہے اُسے جڑ سے اکھیڑ پھینکتا ہے اور موت اور موت کے بعد کے حالات اُس کے لئے عذابِ شدید بن جاتے ہیں۔

مذکورہ بالا حدیثوں میں سے پہلی میں منافق، اور دوسری میں فاجر کا لفظ ہے، کافر اور منکر کا لفظ نہیں، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالےٰ کا یہ دستور تمام نیکوں اور بدوں کے لئے عام ہے۔

اس کا تعلق صرف مومن و کافر کے ساتھ خاص نہیں نیکی و بدی میں جس کا جیسا درجہ ہوتا ہے خدا تعالےٰ اسی حیثیت سے اس کے اوپر اپنے دستور کا نفاذ فرماتا ہے

(۴) من یرد اللّٰہ بہ خیراً یصب منہ۔ "خدا تعالےٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے مبتلائے مصیبت کر دیتا ہے"

٭ ٭ ٭

اکثر محدثین نے اِس روایت کو صاد کے زیر کے ساتھ روایت کیا ہے، اِس صورت میں مصیبت کی نسبت خدا تعالےٰ کی طرف ہوتی ہے۔

بعض محدثین کا خیال ہے کہ اِس فعل کو صاد کے زبر کے ساتھ پڑھنا اولیٰ ہے، کیوں کہ مصیبت کی نسبت خُدا کی طرف کرنا سوء ادب ہے، جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مرض کی نسبت خدا تعالےٰ کی بجائے اپنی طرف کی۔

الذی خلقنی فھو یھدین — "جس نے مجھ کو بنایا سو وہی مجھ کو
والذی ھو یطعمنی ویسقین — راہ دِکھلاتا ہے اور وہی مجھ کو کھلاتا ہے اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہوتا
واذا مرضت فھو یشفین (شعراء) — ہوں تو وہی مجھ کو شفا دیتا ہے"

اِس تعارف میں تمام فعلوں کی نسبت خدا تعالےٰ کی طرف کی ہے، سوائے مرضت کے، یہ نہیں فرمایا، اور وہی بیمار ڈالتا ہے — یہ فرمایا — جب میں بیمار پڑتا ہوں
پس اِن بعض اصحاب حدیث کے قول کے مطابق حدیث کے معنی یہ ہوں گے :۔ —
خدا تعالےٰ جب کسی شخص کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو وہ شخص مبتلائے مصیبت کر دیا جاتا ہے،
حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں :۔
جمہور محدثین اِس لفظ کو جس طرح روایت کرتے ہیں یعنی کسرہ کے ساتھ اس کی تائید مسند احمد کی اِس روایت سے ہوتی ہے اور "بعض محدثین" کی مذکورہ تاویل اِس میں قطعاً جاری نہیں ہوتی۔ حدیث یہ ہے :۔

"اذا احب اللہ قوماً ابتلاھم فلہ الصبر ومن جزع فلہ الجزع"

"خدا تعالیٰ جب کسی قوم سے محبت کرتا ہے تو اُسے بلاؤں میں گرفتار کر دیتا ہے پس جو شخص صبر کرتا ہے اُس کے لئے صبر ہے، اور جو بے صبری کرتا ہے اُس کے لئے وہی ہے — یعنی صابر کو صبر کا بدلہ اور شکوہ شکایت کرنے والے کے لئے محرومی"

مصائب جن گناہوں کے لئے کفارہ بنتے ہیں، وہ کون سے گناہ ہیں، کبائر و صغائر دونوں یا صرف صغائر؟
جمہور نے یہی کہا ہے کہ مصائب سے صرف صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں، یہ حضرات اس قسم کی تخصیص اس روایت کے پیش نظر کرتے ہیں جس میں نماز اور رمضان کو کفارہ فرمایا ہے اور "ما اجتنبتِ الکبائر" "جب تک کبیرہ گناہوں سے بچتا رہے — کی قید لگائی گئی ہے۔
ایک جماعت کی رائے تعمیم کی ہے یعنی مصائب سے دونوں قسم کے گناہ معاف کئے جاتے ہیں، یہ حضرات رحمت کے معاملہ میں عام کو خاص کے تحت لاکر اسے مقید نہیں کرتے، اور اسے خُدا کی رحمت عامہ کی شایانِ شان نہیں سمجھتے۔

(۵) اذا مرض العبد او سافر کتب اللہ لہٗ ما کان یعمل صحیحاً مقیماً۔

"جب بندہ بیمار ہوتا ہے، یا مسافر ہوتا ہے تو خدا تعالیٰ اُسکو تمام نیکیوں کا اجر عطا فرماتا ہے، جو نیکیاں وہ تندرست اور مقیم ہونے کی صورت میں کرتا تھا"

مطلب یہ کہ بیماری اور سفر کی حالتوں میں انسان بہت سی نیکیوں سے عاجز رہتا ہے، خُدا تعالےٰ کا یہ کرم ہے کہ وہ بیماری اور سفر کی زحمتوں کے صدقہ میں بیمار اور مُسافر کو اُن نیکیوں کا ثواب عطا فرما دیتا ہے۔
بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ مہربانی کہ بیماری اور سفر کی تکلیفیں نیکیوں کے قائم مقام ہو جائیں، اُس کے لئے ہے، جس کی یہ نیت ہو کہ اگر میں مقیم یا تندرست ہوتا تو یہ کام ضرور کرتا۔ لیکن وہ شخص جو بیماری اور سفر سے پہلے نہ تو ان نیکیوں کا پابند ہو، اور نہ اُس کی عمل کرنے کی نیت ہو تو وہ اس فضل و کرم کا مستحق نہیں ہوتا۔

(۶) حضرت ابوہریرہؓ کا خیال مُلاحظہ ہو، کس شوق سے فرماتے ہیں

ما من مرض یصیبنی احب الی من الحمی لانھا تدخل فی کل عضو منی وان اللہ یعطی کل عضو قسطہ من الاجر۔

"مجھے بخار سے زیادہ کوئی مرض پسند نہیں ہے کیوں کہ یہ جسم کے ہر عضو میں داخل ہو جاتا ہے اور پھر خدا تعالےٰ ہر عضو کو اُس کے حصّہ کا اجر و ثواب عطا فرماتا ہے"

(۷) حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں، میں نے حضور سے پوچھا

"ای الناس اشد بلاء قال الانبیاء ثم الامثل فالامثل یبتلی الرجل علی حسب دینہا

"لوگوں میں کون سب سے زیادہ مبتلائے مصائب ہوتا ہے؟ فرمایا انبیاء علیہم السلام ہوتے ہیں، پھر ان سے

(اسی حدیث کا ایک جملہ یہ ہے)   کم درجہ کے لوگ اور پھر اُن سے
حتی یمشی علی الارض وما   کم درجہ کے۔ ہر شخص بقدر دینداری
علیہ خطیئۃ۔   یعنی خدا کا پیارا ہوتا ہے، وہ
(حاکم)   اُسی قدر مصائب میں گرفتار ہوتا ہے"
"یہاں تک کہ وہ زمین پر چلتا پھرتا ہے اور اُس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا"
ایک روایت میں "الاول فالاول" ہے اور ایک میں "ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم" ہے، اور ایک روایت میں ہے:
الانبیاء، قال ثم من قال العلماء   "یعنی انبیاء پھر علماء، پھر
قال ثم من قال الصالحون۔ (حاکم)   صالحین"
اسی سبب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض کے متعلق فرمایا تھا کہ مجھے تمہارے دو آدمیوں کی برابر تکلیف پہنچتی ہے، یہ مرض الموت

کی بات ہے۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ مصیبت اور راحت کا چولی دامن کا ساتھ ہے، جہاں نعمت کا نزول زیادہ ہوتا ہے وہاں مصیبت بھی زیادہ اُترتی ہے۔ انعامات الٰہی چونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام پر سب سے زیادہ برستے ہیں، اِس لئے یہی حضرات مصائب و تکالیف کا شکار بھی سب سے زیادہ ہوتے ہیں۔ امہات المومنین رضوان اللہ تعالیٰ علیہن اجمعین کو مخاطب کرکے خدا تعالیٰ نے فرمایا تھا:۔
من یات منکن بفاحشۃ   "جو کوئی کر لاوے کام بے حیائی کا صریح
مبینۃ یضاعف لھا   دونی ہو اُس کو مار"
العذاب ضعفین (احزاب)
⁂ ⁂ ⁂
دُگنے عذاب کی دھمکی اِسی لئے دی کہ ان کا درجہ عام عورتوں سے بلند تھا۔
(باقی دارد)

تیسری اور آخری قسط :-

"عصیانِ ما و رحمتِ پروردگارِ ما"

(مولانا اخلاق حسین قاسمی الدہلوی)

(۸) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ایک موقعہ پر حضرت عطاءؓ سے کہا، کیا میں تمہیں ایک جنتی عورت دکھاؤں؟ — عطاءؓ نے کہا، ضرور دکھائیے۔ فرمایا، دیکھو یہ کالے رنگ کی عورت ہے، یہ ایک مرتبہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا، حضور! میں بے ہوش ہو کر گر پڑتی ہوں جس سے میرا جسم کھل جاتا ہے، آپ میرے لئے خدا تعالیٰ سے دُعاء فرمائیے۔ آپ نے فرمایا، اگر تو صبر کرے تو تیرے لئے جنت ہے، اور اگر شفاء چاہے تو میں تیرے لئے دعا کروں، وہ بولی! میں صبر کرتی ہوں، لیکن اتنی تو دُعاء کیجئے کہ میرا جسم نہ کُھلا کرے، حضورؐ نے اس بات کے لئے دُعاء فرمائی۔

اُس عورت کا نام ام زفر تھا اور یہ حضرت خدیجہ کبریٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے کنگھی کیا کرتی تھی اور ام المومنینؓ کی وفات کے بعد حضورؐ کی زیارت کے لئے برابر آیا کرتی تھی۔

ام زفر کو جب دورہ پڑنے کا خطرہ ہوتا تھا تو وہ کعبہ میں آکر اس کے پردے پکڑ لیا کرتی تھی، چنانچہ ابن عباسؓ نے اُس عورت کو اسی حالت میں کعبہ کے پاس دیکھا تھا۔

حدیث کا یہ جملہ — ان شئت صبرت و لك الجنة — یہ بتا رہا ہے کہ دُنیا کی بلاؤں پر صبر کرنے سے جنت ملتی ہے، اور اس شخص کے لئے جو طاقت اور سہار رکھتا ہو یہ افضل ہے کہ وہ رُخصت و راحت کے مقابلہ میں شدت اور تکلیف کو اختیار کرے،

نیز اسی واقعہ سے دواء و علاج کے چھوڑ دینے کا جواز بھی نکلتا ہے، اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جسمانی امراض کا علاج بھی دُعاء اور التجاء سے ہو سکتا ہے۔ بلکہ مادّی علاجوں سے یہ علاج زیادہ مُؤثر اور نافع ہے۔ البتہ اس طریقہ علاج کے لئے دو شرطیں ہیں :-

ایک یہ کہ بیمار کی نیت اور ارادہ خالص ہو، اُسے اس طریقہ علاج پر پُورا یقین ہو۔

دوسری یہ کہ معالج تقویٰ اور توکّل کی صفتوں سے متصف اور قلب و توجہ کی پُوری قوت سے کام لے۔

(۹) حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں، میں نے حضورؐ کو یہ فرماتے ہوئے سُنا :-

ان اللہ تعالیٰ قال اذا ابتلیت عبدی بحبیبتیہ فصبر عوضتہ منہما الجنۃ - (بخاری)	"خدا تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے جب میں اپنے کسی بندے کو آنکھوں کی مصیبت میں گرفتار کرتا ہوں، اور وہ صبر کرتا ہے تو اُسے اُس کی دونوں آنکھوں کے بدلے میں جنت دیتا ہوں"

❖ ❖ ❖

❖ ❖ ❖

مسند احمد کی روایت میں آنکھوں کی نعمت چھن جانے کی مصیبت کو سب سے بڑی مصیبت کہا گیا ہے۔

" ماابتلی عبد بعد ذھاب دینہ باشد من ذھاب بصرہ " یعنی سب سے بڑی مصیبت تو یہ ہے کہ انسان،

دین حق کی نعمت سے محروم رہے۔ اِس مُصیبت کے بعد اگر کوئی مصیبت ہے تو وہ یہ ہے کہ انسان آنکھوں کی بینائی سے محرُوم ہو جائے۔

صبر کا مطلب یہ نہیں کہ انسان قدرت کے فیصلہ کے مقابلہ میں اپنے آپ کو بے بس دیکھ کر چوں نہ کرے، بلکہ یہ مطلب ہے کہ اس حادثے پر راضی ہو اور اِس بدلے کا اُمیدوار ہو جس کا خدا تعالےٰ نے اِس سے وعدہ کیا ہے۔

حدیث میں آنکھوں کو (حبیبتین) دو محبُوب چیزیں کہا گیا ہے کیوں کہ اعضاء انسانی میں ان سے زیادہ کوئی دوسرا عضو کارآمد اور مُفید نہیں ہے۔

(۱۰) حضرت سلمان فارسیؓ راوی ہیں:۔

ان مرض المؤمن یجعله الله له کفارة ومستعتبا وان مرض الفاجر کالبعیر عقله اهله ثم ارسلوه فلا یدری لم عقل ولم ارسل۔ (بخاری فی الادب المفرد)

"مومن کی بیماری کو خدا تعالےٰ نے اس کے گناہوں کی معافی اور اپنی خوشنودی حاصل کرنے کا ذریعہ بنا دیا ہے اور گناہگار کی بیماری کی مثال ایسی ہے جیسے وہ اونٹ جسے اُس کے مالک نے باندھ دیا ہو اور پھر کھول دیا ہو اور وہ کچھ نہ جانتا ہو کہ اُسے کیوں باندھا اور کیوں کھولا۔"

(۱۱) یزید ابن ہارون کہتے ہیں کہ میں حضرت انسؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، انسؓ بولے، مجھ سے قریب ہو جا، تیری آنکھیں جاتی رہیں؟ میں نے عرض کیا، جی ہاں، بچپن ہی میں جاتی رہیں تھیں۔ فرمایا، کیا میں تجھے ایک خوشخبری نہ سناؤں؟ میں نے عرض کیا ضرور۔ انسؓ نے فرمایا، حضورؐ نے ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

قال ربکم من اذهبت کریمتیه ثم صبر واحتسب کان ثوابه الجنة۔ (احمد)

"میں جس بندے کی آنکھیں لیجاتا ہوں پھر وہ صبر کرتا ہے اور ثواب کا اُمیدوار رہتا ہے تو اس کا بدلہ جنت ہوتی ہے۔"

(۱۲) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔

دخل علی اعرابی یعوده قال وکان النبی صلعم اذا دخل علی مریض یعوده قال له لا باس طهور ان شاء الله تعالیٰ قال قلت طهور کلا بل هی حمی تفور علی شیخ کبیر تزیره القبور قال النبی صلی الله علیه وسلم فنعم اذا۔ (بخاری) (کتاب المرض)

"حضور ایک دیہاتی کی عیادت کیلئے تشریف لے گئے، آپ کی عادت مُبارک تھی کہ جب آپ کسی کی عیادت کرتے تو فرماتے، کوئی حرج نہیں یہ بیماری تجھے گناہوں سے پاک کر دیگی انشاءاللہ تعالیٰ چنانچہ آپ نے اپنی عادت کے مطابق اُس دیہاتی سے یہی فرمایا، دیہاتی تسلی کا یہ جملہ سُنکر بولا، آپ اسے پاک کرنیوالا فرما رہے ہیں؟ نہیں بلکہ یہ بُخار ہے جو جوش مار رہا ہے ایک بوڑھے آدمی پر اور اسے قبر کے کنارے پہنچائے گا، حضورؐ نے فرمایا، ہاں، تو پھر ایسا ہی ہوگا۔"

سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے آخری جملہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ یہ اعرابی بچنے والا نہیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور وہ اعرابی صبح کو وفات پا گیا۔

ایک روایت میں ہے کہ جب اعرابی نے بے صبری اور گھبراہٹ میں حضورؐ کو ایسا گستاخانہ جواب دیا، تو آپ نے سُنکر فرمایا:۔

ما قضی الله فهو کائن۔

"خُدا کا فیصلہ بہر حال پورا ہونے والا ہے۔"

اس واقعہ سے چند باتیں معلوم ہوئیں :-

(۱) امام کی شان کسی غریب شہری کی عیادت کرنے سے نہیں گھٹتی اور نہ کسی عالم کی کسی جاہل کی عیادت کرنے سے،

امام وقت یا عالم جب کسی شخص کی عیادت کے لئے جائے تو وہ اُسے صبر کی تلقین کرے، اسے تسلی دے، اسکی بیماری پر غبطہ کرے۔ یعنی یوں کہے :-

"بیماریوں اور تکلیفوں سے خدا تعالےٰ گناہ معاف فرماتے ہیں، آپ پر خدا کا بڑا فضل ہے، ہمیں تو رشک ہو رہا ہے، صبر کیجیئے، بڑا اجر ملے گا۔"

اِس سے بیمار اور اُس کے گھر والوں کو اطمینان ہوگا، اُن کے دِل میں خُدا کی طرف سے غصہ اور مایوسی پیدا نہیں ہوگی۔

اِس سے یہ بھی سبق ملتا ہے کہ بیمار کو اچھی نصیحت اور تسلی کی باتیں قبول کرنی چاہئیں اور اِس کا جواب بھی پُر اُمید الفاظ میں دینا چاہیے۔

تمنیٰ موت کی ممانعت!

تکلیفیں اور مصیبتیں جب خُدا کا انعام ٹھہریں تو پھر اُن سے تنگ آکر مرنے کی دُعا کرنا کیسے جائز ہو سکتا ہے، اِسی لئے حضورؐ نے اِس سے سختی سے منع فرمایا ہے :-

چند حدیثیں مُلاحظہ ہوں :-

(۱) حضرت انس ابن مالکؓ فرماتے ہیں، حضورؐ نے فرمایا :-

لا یتمنین احدکم الموت من ضر اصابہ فاذا کان لابد فاعلا فلیقل اللھم احینی ما کانت الحیاۃ خیراً لی و توفنی اذا کانت الوفاۃ خیراً لی۔ (بخاری کتاب المرض)

"تم میں سے کوئی شخص موت کی تمنا نہ کرے اُس تکلیف کی وجہ سے جو اُس کو پہونچ رہی ہو، لیکن اگر بہت زیادہ مجبوری ہو تو یوں کہے خُداوندا! اگر میرے لئے زندگی بہتر ہو تو مجھے زندہ رکھ اور اگر موت بہتر ہے تو مجھے وفات دے۔"

اِس تکلیف سے مراد دُنیا کی تکلیف ہے، رہی دین کی تکلیف مثلاً کسی کو خطرہ ہو کہ دشمن مجھے دین سے پھیر دیگا اور وہ اس فتنہ سے محفوظ رہنے کے لئے مرنے کی آرزو کرے تو یہ صورت اس ممانعت میں داخل نہیں ہے۔ چنانچہ صحابہؓ کی ایک جماعت سے اس قسم کی آرزو منقول ہے۔ حضرت عمرؓ دُعا فرمایا کرتے تھے :-

اللھم کبرت سنی و ضعفت قوتی و انتشرت رعیتی فاقبضنی الیک غیر مضیع ولا مفرط۔

"خدایا! میں بوڑھا ہو گیا ہوں، کمزور ہو گیا ہوں، میری رعایا ہر طرف پھیل گئی ہے، بس مجھے اپنے پاس بلا لے اس حال میں کہ میں نہ نقصان کرنیوالا ہوں نہ زیادتی کرنے والا۔"

۰ ۰ ۰

حضرت عابس غفاریؓ نے طاعون کے زمانہ میں کہا :-

یا طاعون خذنی۔ "اے طاعون! مجھے لے لے"

علیم کندی نے اُن سے کہا، یہ آپ کیا فرما رہے ہیں، کیا حضورؐ نے یہ نہیں فرمایا، لا یتمنین احدکم الخ ۔ بولے، میں نے حضورؐ سے سُنا ہے :-

بادروا بالموت ستا، امرۃ السفھاء و کثرۃ الشرط و بیع الحکم الخ ۔ (احمد)

"چھ چیزوں سے پہلے مرنے کی کوشش کرو، بیوقوفوں کی امارت سے، شرط کی کثرت سے" الخ۔

۰ ۰ ۰

آبو داؤد نے حضرت معاذؓ کی ایک حدیث روایت کی ہے، جس میں نماز کے بعد حضورؐ کا اِن الفاظ میں دُعا کرنا منقول ہے :-

واذا اردت بقوم فتنۃ فتوفنی الیک غیر مفتون۔

"خُدایا! جب تو قوم کو فتنہ میں مبتلا کرنے کا ارادہ فرمائے تو مجھے اِس سے پہلے اپنے پاس بلا لیجیو، فتنے میں ڈالے بغیر"

بخاری کی روایت میں جس انداز سے حضورؐ نے موت کی دعا کرنے کی اجازت دی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان الفاظ میں دعا کی ممانعت ہے جن سے قضائے الٰہی سے بیزاری اور اعتراض کا اظہار ہوتا ہو، لیکن جس انداز میں تسلیم و رضا موجود ہو، اس انداز کے اختیار کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

(۲) حضرت قیس ابن ابی حازم کہتے ہیں، ہم حضرت خبابؓ کی مزاج پرسی کے لئے ان کے مکان پر گئے، آپ نے اپنے پیٹ پر (کسی تکلیف کے علاج کے لئے) سات داغ لگوا رکھے تھے (یہ عرب قدیم کا ایک طریقہ علاج تھا)۔

حضرت خبابؓ نے اثنائے گفتگو میں فرمایا:-

"میرے ساتھی گذر گئے، دنیا نے ان کے اجر و ثواب کو بالکل کم نہیں کیا اور ہم کو اتنا مال ملا کہ:-

مالا نجد لہ موضعا الا التراب ولولا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہانا ان ندعو بالموت لدعوت بہ۔

"اسے رکھنے کی ہمیں کوئی جگہ نہیں ملتی، سوائے مٹی کے، اگر حضورؐ نے ہمیں موت طلب کرنے سے منع نہ کیا ہوتا تو میں ضرور موت کی دعا کرتا۔"

حضرت قیس کہتے ہیں، اس کے بعد ہم پھر حضرت خبابؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت آپ اپنی دیوار چن رہے تھے، ہمیں دیکھ کر فرمایا:-

ان المسلم لیوجر فی کل شئی ینفقہ الا فی شئی یجعلہ فی ھذا التراب۔

"مسلمان کو جس نیک کام میں وہ خرچ کرتا ہے اس کا ثواب ملتا ہے، سوائے اس مال کے جو وہ اس مٹی میں لگاتا ہے۔"

مطلب یہ کہ جو صحابہؓ تشریف لے گئے انہوں نے دنیا کا کوئی عیش نہ دیکھا، اول تو صحابہ میں غربت عام تھی، دوسرے جو چند صحابہ غنی تھے بھی تو وہ اپنا تمام مال مسلمانوں کی امداد میں خرچ کرتے تھے اور خود تکلیف میں رہتے تھے۔

لیکن اب دنیا ہمارے قدموں میں آگئی ہے اور اتنی دولت ہمارے ہاتھ آئی ہے کہ ہمیں اس کا مصرف پختہ مکانوں کی تعمیر کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔

حضرت خبابؓ کا یہ جملہ کہ مسلمان جو پیسہ مکانوں کی تعمیر میں لگاتا ہے اس کا اسے کوئی اجر نہیں ملتا، اس کا مطلب یہ ہے کہ جو تعمیرات وہ صرف ظاہری شان و شوکت، فخر و غرور کے اظہار، کمزوروں اور غریبوں کی تذلیل کے مقصد سے بناتا ہے، اس کا کوئی اجر اسے آخرت کی زندگی میں نہیں ملے گا البتہ وہ تعمیرات جو رفاہ عام، خلق اللہ کے آرام اور کسی صحیح مقصد کے تحت وجود میں آتی ہیں وہ اس حکم میں داخل نہیں ہیں۔

---

(۵) حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں، سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

لن یدخل احداً عملہ الجنۃ قالوا ولا انت یا رسول اللہ قال ولا انا الا ان یتغمدنی اللہ بفضل ورحمۃ فسددوا وقاربوا ولا یتمنی احدکم الموت اما محسناً فلعلہ ان یزداد خیراً واما مسیئاً فلعلہ ان یستعتب۔ (بخاری)

"کوئی شخص اپنے اعمال کی وجہ سے جنت میں داخل نہیں ہوگا، یہ سن کر عرض کیا، حضورؐ! آپ! فرمایا، نہ میں، مگر یہ کہ خدا اپنے فضل و کرم میں ڈھانک لے، تمہیں چاہیے کہ تم سیدھا راستہ اختیار کرو، اور خدا تعالیٰ کا قرب تلاش کرو، اور تم میں سے کوئی شخص موت کی آرزو نہ کرے، اگر وہ نیک ہے، تو شاید وہ نیکیاں بڑھائے اور اگر برا ہے تو ہو سکتا ہے کہ توبہ کرلے۔"

اس حدیث کو ایک دوسرے طریقے سے بھی روایت کیا گیا ہے، اس میں یہ جملہ اور موجود ہے:-

ولا یدع بہ من قبل ان یاتیہ "اور موت کے آنے سے پہلے

وہ موت کی دعا نہ کرے۔

اِس جملے سے ایک صورت کا استثناء نکلتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب موت اپنے آثار و علامات کے ساتھ سامنے آجائے تو اُس وقت موت کی آرزو میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اُس وقت موت کی تمنا کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ شخص خدا کی ملاقات کا خواہشمند ہے اور آنے والے وقت سے خوش ہے،

یہی وہ توجیہ ہے جو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت یوسف علیہ السلام کی آخری دُعاؤں کا مطلب واضح کرتی ہے۔

امام بخاریؒ نے حضرت ابوہریرہؓ کی مذکورہ حدیث کے بعد حضرت عائشہؓ کی حسب ذیل حدیث نقل کر کے اسی توجیہ کی طرف لطیف اشارہ کیا ہے:۔

ام المومنینؓ فرماتی ہیں، میں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ دُعاء کرتے ہوئے سُنا، اُس وقت آپ میرے سہارے سے بیٹھے ہوئے تھے:۔

اللھم اغفرلی وارحمنی — "خدایا! میری مغفرت کر، مجھ پر
والحقنی بالرفیق — رحم فرما اور مجھے عالی مرتبہ
الاعلیٰ۔ — رفیقوں سے ملا دے"۔

یہ موت ہی کی دُعاء ہے، لیکن اُن لمحوں میں ہے جن میں اللہ کے مقدس رسول کو اپنی موت کا یقین ہو چکا تھا۔

حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، بعض علماء نے حضرت کی اِس حدیث کو اس بات کی سابقہ احادیث سے معارض سمجھ لیا ہے، حالانکہ یہ حدیث معارض نہیں۔ بلکہ امام نے اسے آخر میں ذکر کر کے یہ ظاہر کیا ہے کہ زندگی کی آخری ساعتوں میں اِس قسم کی دُعاء جائز ہے، تمنائے نہی میں یہ صورت داخل نہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی دُعاء:۔

انت ولی فی الدنیا والآخرۃ — "تو ہی میرا کارساز ہے دُنیا میں
توفنی مسلما والحقنی — اور آخرت میں، موت دے
بالصالحین۔ — مجھکو اسلام پر اور ملا مجھکو نیک بختوں میں"

امام قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ موت کی آرزو حضرت یوسفؑ کے سوا کسی نے نہیں کی اور یہ اس حالت میں کی، جب خدا تعالےٰ نے حضرت یوسفؑ کی شخصیت میں مادی اور رُوحانی ساری نعمتیں جمع کر دیں، تو اُس وقت انہوں نے اس کا اعلان کیا کہ ان تمام نعمتوں کے باوجود یوسفؑ اب جس نعمت کا آرزو مند ہے وہ محبوب سے ملنے کی نعمت ہے، اسی کے لئے وہ یہ دُعاء کرتا ہے۔

اِس قول پر ضروری نہیں کہ یہ دُعاء زندگی کے آخری ایام میں کی گئی ہو، اِس صورت میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ سابقہ شریعت کی بات ہے، ہمارے لئے حجت نہیں۔

دوسرے علماء نے اِس دُعاء کے متعلق یہ کہا ہے کہ حضرت یوسفؑ کی یہ دُعاء بھی سرورِ عالم صلعم کی مذکورہ دُعاء کی طرح زندگی کے آخری لمحات سے تعلق رکھتی ہے، لہذا اس پر نہی عن التمنی کے خلاف ہونے کا کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔

آخری لمحات کے متعلق علماء نے یہ بھی وضاحت کر دی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو اپنے آخری وقت کا یقین ہوتا ہی لیکن دوسروں کو اس کا یقین نہیں ہوتا محض اندازہ ہوتا ہے، اِس لئے ایک شخص اگر اپنی بیماری میں یہ سمجھ کر کہ وہ اِس بیماری سے جانبر نہیں ہوگا، موت کی آرزو کرے اور پھر وہ تندرست ہو جائے تو اس دُعاء پر اُس سے کوئی مواخذہ نہیں، اس نے اپنے ظاہری حالات کو دیکھ کر اپنے متعلق یہ اندازہ لگایا تھا، لیکن اس کے پاس غیب کی بات معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔